

مصر میں جمہوریت کا قتل

ڈاکٹر انیس احمد

۳۰ جون ۲۰۱۳ء کو مصر میں جمہوریت کا قتل عرب بہار (Arab Spring) پر خزان کا ایک ایسا حملہ ہے جس نے ہر باشمور شخص کو تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ وزیرِ فاقع نے فوج کے ذریعے جمہوری انتخابات میں اکثریت سے منتخب ہونے والے صدر اور اس کی کابینہ کا بڑھ کر طرف کر دیا ہے۔ عوامی رائے سے براہ راست منتخب کیے ہوئے صدر کو نظر بند کر دیا ہے۔ فوجی مداخلت کے خلاف جمہوری مزاجمتی جدوجہد کو قوت، دھنس اور دباؤ کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور فوجی حکم نامے کے ذریعے ایک عبوری حکومت بنانے کا عارضی دستور کے نام پر ایک من مانا نظام مسلط کیا جا رہا ہے۔ اسے فوجی قبضے (coup d'etat) کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

جمہوریت کے اس قتل عام پر یورپ اور امریکا کا درعمل شرم ناک ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ مغرب کا اپنا مقاداً گرفجی آمروں اور بادشاہتوں سے وابستہ ہوتا ہے کبھی جمہوریت کی یاد نہیں آتی، اور اگر ایک عوامی جمہوری انتخاب کے بعد قائم ہونے والی ایسی جمہوریت ہو جس میں مصر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عوام نے اپنا صدر منتخب کیا ہو تو وہ ایسی جمہوریت کے مقابلے میں دوبارہ فوجی امریت کے قیام میں سرگرم نظر آتا ہے۔

مغربی طاقتوں کی یہ دولی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اکیسویں صدی میں مسلم دنیا میں جو کچھ ہوا ہے وہ مغرب کی دولی کی زندہ مثال ہے۔ لیکن اس اندوہناک واقعے نے بہت سے اہم اور بنیادی سوالات کو ایک مرتبہ پھر ہمارے سامنے لا کر کھڑا کر دیا ہے اور امت مسلمہ کے ہر باشمور شہری کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یورپ اور امریکا، ایشیا اور افریقہ آخ رس جمہوریت کی بات کرتے ہیں؟

کیا ایک جمہوری صدر اور حکومت کو فوج کے ذریعے زیر حرast لا کر فوج کی طرف سے ایک عارضی صدر کا مقرر کیا جانا جمہوریت ہے؟ کیا تحریر چوک میں چند لاکھ افراد کے مظاہرہ کرنے اور مصر کی عوامی اکثریت کے منتخب کردہ صدر کے خلاف نعرے لگانے سے فوج کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ایک جمہوری حکومت کو بِر طرف کر دے؟

کیا یہ محض ایک اتفاق ہے کہ ۲۰۱۲ء کو صدر مری نے حلف آٹھایا اور ۲۰۱۳ء کو ایک سال گزر نے پر فوج نے انقلاب برپا کر کے انھیں نظر بند کر دیا؟ یا یہ سب ایک سال سے پہلے والی ایک سازش ہے جس میں فوج، عدیلہ اور مصر کے سیکولر افراد کے ساتھ مغربی طائفی اور ان کے زیر اثر بعض مسلم ممالک جو مصر میں اسلامی احیا اور بالخصوص اخوان المسلمون کے بر سر اقتدار آجائے کو کسی صورت ہضم کرنے کو تیار نہ تھے، شریک تھے۔ ان ممالک نے بھی اس غیر جمہوری فوجی مداخلت کو پسند کیا اور جمہوریت کے قتل پر اطمینان کا اظہار کرنے میں شرم محوس نہیں کی۔

نیویارک نائیمز کے گلوبل اڈیشن میں قاہرہ سے اس کے نمائندوں Ben Hubbard اور David D. Kirkpatrick اپنے مقالے میں ہمارے اس بیان کی تصدیق جن الفاظ میں کی ہے، وہ ہر صاحب عقل کے لیے سوچنے کا مواد فراہم کرتے ہیں:

ریاست کے مختلف اداروں پر ہول کے ذخیروں سے لے کر اسے ملک بھر میں گیس ائیشن تک پہنچانے والوں ٹرکوں، سب نے اس بحران کو پیدا کرنے میں حصہ لیا۔ وہ مزید کہتا ہے: پس منظر میں کام کرنے والے حسنی مبارک کے قریبی اشیکشمند کے ساتھی اور ملک کے چوٹی کے جریلوں نے ان لوگوں کو مالیات فراہم کرنے، مشورہ دینے اور منظم کرنے میں مدد دی جو اسلامی قیادت کو اکھاڑ پھینکنے کا پختہ ارادہ رکھتے تھے۔ ان میں نجیب سوریلیں بھی شامل تھا جو ایک ارب پتی ہے اور اخوان کا معروف کھلاڑی ہے، اور سپریم دستوری عدالت کے بچ تہامی الجبائی بھی جو حکمران جریلوں کے بہت قریب ہیں۔

وہ آگے چل کر کہتا ہے کہ فوجی کو (Coup) کے بعد یا کیک سڑکوں پر پولیس اور پر ہول پپوں

پر پڑوں کی فراوانی ہو گئی اور اچاکنک پوری انتظامیہ حرکت میں آگئی۔ گویا فوج، عدالیہ اور رسول انتظامیہ اور مال دار بدقہ سب نے مل کر صورت حال خراب کی تاکہ اسلامی قوتوں کو ناکام کر سکیں۔ اس افسوس ناک واقعے پر غور کرتے وقت ہمیں چند پہلوؤں پر خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے اس پورے عمل میں ابلاغ عاملہ کے کردار کو صحیح کی ضرورت ہے۔

ابلاغ عاملہ کا کردار

مصر میں اخوان المسلمون اور دیگر اسلام پسند جماعتوں کے اتحاد کی کامیابی مصر کے سیکولر عناصر خصوصاً میڈیا کے لیے سخت غم و غصے کا سبب بنتی۔ چنانچہ روزِ اذل سے برقرار ابلاغ عاملہ خصوصاً نجی چینلوں نے اخوان دشمن مہم کا آغاز کر دیا اور عیسائی اقلیت کے حوالے سے بار بار یہ بات اٹھائی کہ اخوان شریعت نافذ کریں گے اور عیسائیوں کو نرمی کا درجہ دیتے ہوئے دوسرے درجے کا شہری بنادیا جائے گا۔ اس بات کو بھی اچھا لایا کہ اسلامی سزاوں کے نفاذ سے سب سے زیادہ نقصان غیر مسلموں کو پہنچنے کا وغیرہ۔ پھر ابلاغ عاملہ نے مصر کی معاشی صورت حال کو بڑھا چکا کر بیان کرنا شروع کیا کہ روٹی اور پانی کی فراہمی مشکل ہو گئی ہے، جب کہ یہی صورت حال حسنی مبارک کے دور میں تھی اور میڈیا اس پر خاموش تھا۔ دستور میں بعض دفعات کے اضافے اور شریعت کی بالادستی پر بھی میڈیا نے احتجاج اور مخالفت کی مہم چلائی۔ یہ بات بھی پھیلائی گئی کہ اسلامی حکومت میں مصر کی سیاست کی صنعت ختم ہو جائے گی جو قومی آمدنی کا ایک بڑا حصہ ہے۔

۳۰ سالہ دوڑ آمریت میں حسنی مبارک نے مصر کو جس معاشی بدحالی میں بنتا کر دیا تھا اور جو حسنی مبارک کے خلاف عوامی مہم اور انقلاب کا ایک سبب تھا اسے ابلاغ عاملہ نے نظر انداز کرتے ہوئے یہ تاثر دیا کہ گویا معاشی زوال سب کا سب مری کے آنے کا نتیجہ ہے۔

ابلاغ عاملہ کی اس سازش میں مصر کا مال دار تین شخص نجیب سوریس جوٹی وی چینل اور اخبار کا مالک ہے اور حسنی مبارک کا قطبی دست راست رہا ہے، پیش پیش تھا، (اس کا اپنا بیان نیویارک نائمز نے ان الفاظ میں دیا ہے: Tammarrud did not even know it 'تمرد کو معلوم بھی نہ تھا کہ یہ میں تھا۔ مجھے اس پر کوئی شرم نہیں ہے)۔ اس نے سب سے بڑے اخبار اور ٹی وی چینل کے ذریعے اس مہم کو چلایا۔

یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ مصر مشرق و سطحی میں سب سے زیادہ بیروفی امداد و صول کرنے والا ملک رہا ہے۔ ۳۰ سال سے گرتی ہوئی معاشی حالت کو ایک سال سے کم عرصے میں عروج و ترقی کی طرف لے جانا ایک اچھی تمنا تو ہو سکتی ہے لیکن عملًا ایک ناممکن ہدف ہی کہا جاسکتا ہے۔ جس میڈیا نے حصی مبارک کو ۳۰ سال کی مہلت دی کہ وہ معاشی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے جو اقدامات چاہتا ہو کرے، اسی میڈیا نے صدر مری کے سلسلے میں میں ۳۶۵ دن کی مہلت کو بھی ضرورت سے زیادہ مدت قرار دیا اور بار بار اس بات کو دہرا لیا کہ حکومت معاشی اصلاح میں ناکام ہو گئی ہے۔ کیا اسی کا نام عدل ہے؟ کیا یہی غیر جانبِ دارانہ صحافت ہے؟ کیا دنیا میں کسی عوامی منتخب حکومت کو چار پانچ سال کی مدت کے لیے منتخب کیا جائے، اور پھر ایک سال کے بعد یہ کہہ کر کہ وہ ناکام ہو گئی ہے دوبارہ فوج کو مسلط کر دینا مسائل کا حل ہو سکتا ہے؟ یا یہ صرف فوج اور عدیہ کی طرف سے ایک رعمل ہے تاکہ وہ جس طرح ۳۰ سال سے عوام پر حکومت کر رہی تھی اور فوائد حاصل کر رہی تھی، دوبارہ پرانے نظام کو لا کر اصلاح اور تبدیلی کی کوششوں کو قوت کے ذریعے کھل سکے۔

واضح رہے کہ مصر کی معاشی صورت حال کو بگاڑنے اور تیل اور گیس کا مصنوعی بحران پیدا کرنے میں مفاد پرست عناصر کا ہاتھ تھا اور اس کا سب سے واضح ثبوت یہ ہے کہ فوجی مداخلت کے دوسرے ہی دن چشم زدن میں تیل، گیس اور بجلی بحال ہو گئی، اور یہ بھی لطف کی بات ہے کہ صدر مری کی وزارت میں جو غیر اخوانی وزیر، وزیر داغلہ اور وزارت پترولیم کے وزیر تھے، فوج کی بنائی ہوئی تھی وزارت میں وہی ان وزارتوں پر برآمدان ہیں۔

پولیس اور فوج کا کردار

۳۰ سالہ دو راستدار میں پولیس اور فوج نے جن مراعات کو حاصل کر لیا تھا اور جن اختیارات پر ان کو تسلط حاصل ہو گیا تھا وہ اب اس تبدیلی سے سخت برہم تھے۔ چنانچہ وزارتِ داخلہ میں وہ عناصر جو سابقہ دور میں با اختیار تھے پس پانیں ہوئے۔ نیویارک نائیز کے نمائندے David Kirkpatrick نے اپنے کیم جولائی ۲۰۱۳ء کے مرائلے میں جن دو امور کا تذکرہ کیا وہ حالات کی سُگنی اور ان میں پولیس اور فوج کے کردار کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ وہ کہتا ہے: or sabotage of the institutions of the old government has stunned

یعنی سابقہ حکومت کے اداروں کی بدنظامی اور سبوتاش نے جمہوریت کی طرف تبدیلی کے عمل کو بالکل روک کر رکھ دیا۔ وہ آگے چل کر پولیس کے ایک اعلیٰ افسر کے الفاظ کو بیان کرتا ہے:

وہ لوگ جو جیلوں میں تھے آج صدر ہیں۔ اگر اتوار کو اخوان کے دفتر کی حفاظت کے لیے کوئی ایک افسر بھی گیا تو میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اسے گولی مار دی جائے گی۔ جز ل صالح زیدان نے یقین دلایا: ہم سب نے متفقہ طور پر طے کیا ہے کہ اخوان المسلمون کے ہیڈ کوارٹر کو کوئی سیکورٹی نہیں فراہم کی جائے گی۔

پولیس کے ذمہ داران اور فوجی جزل کا یہ باعیانہ بیان اخوان کے مخالف سیکولر عناصر نے موبائل فون پر ایک دوسرے کو پہنچا کر مزید بہت بڑھائی کہ اخوان کے خلاف وہ جو کارروائی کرنا چاہیں کریں۔ فوج اور پولیس کے کردار کو نرم ترین الفاظ میں ایک جمہوری حکومت کے خلاف بغاوت ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

کامیابی کا پیمانہ

ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ دنیا میں کس جمہوریت میں ۳۶۵ دن کسی منتخب حکومت کی کامیابی یا ناکامی کے لیے پیمانہ قرار دیے جاسکتے ہیں؟ نہ صرف یہ بلکہ کہاں پر ایک منتخب صدر اور اس کی کابینہ کو حزب اختلاف کے مظاہرے اور صدر کی کسی پالیسی سے اختلاف کی بنا پر فوج کو یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ ایک منتخب صدر کو مجبوں کرے اور نہ صرف اس کی کابینہ کو برطرف کر دے بلکہ فوج کی طرف سے مقرر کیا ہوا عارضی، صدر ملک کے منتخب کردہ ایوان بالا کو بھی برطرف کر دے؟ ظاہر ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ حالیہ انتخابات کے بعد اخوان المسلمون ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ہے اور ایوان بالا میں اسے واضح اکثریت حاصل ہے۔ اخوان اور اسلامی قوتوں نے ایک نہیں پانچ بار عوامی رائے سے انتخاب اور استصواب جیتے ہیں اور انھیں عوامی ووٹ کی قوت سے ہٹانا ناممکن تھا۔ اس لیے پہلے مبارک دور کی مقرر کردہ عدالت کے ذریعے منتخب ایوان کو برطرف کرنے کا اقدام کیا گیا اور پھر فوج نے بلا واسطہ مداخلت کر کے جمہوری بساط کو لپیٹ دیا۔

جمہوریت کا کردار

موجودہ حالات کے تناظر میں سب سے اہم اور کلیدی سوال یہ ہے کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آئینہ کوئی فوجی سربراہ یا وزیر داخلہ یا وزیر دفاع کسی جمہوری حکومت کو اپنی مرضی اور خوشی کے مطابق نہ پاتے ہوئے برطرف نہیں کرے گا؟ اگر ایک مرتبہ فوج کے اس احتفاظ کو مان لیا گیا تو وہ سیاسی معاملات میں دخل اندازی کو اپنا پیدائش حق سمجھے گی اور جب چاہے گی کسی بھی منتخب حکومت کو قوت کے ذریعے برطرف کر کے خود اقتدار پر قابض ہو جائے گی۔ اس سوال کا تعلق اس بات سے ہے کہ کیا فوج قانون سے بالاتر ایک ادارہ ہے؟ یا ملک کا دستور اور قانون دونوں فوج سے بلند شمار کیے جانے چاہیں اور فوج کو بھی دستور کی پابندی کرنی چاہیے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہر فوجی جب عہدے کا حلف اٹھاتا ہے تو دستور کی پابندی کا عہد کرتا ہے۔ فوج دستور کی خلاف ورزی کرتی ہے تو اسے دستور کے تحت قانونی عمل کے ذریعے دستور کا پابند کرنا ہوگا۔ اگر صرف ایک فوجی سربراہ پر دستور کی خلاف ورزی کرنے کی بناء پر عوامی عدالت میں بغاوت کے الزام کے تحت مقدمہ قائم کیا جائے تو صرف ایک مرتبہ اس عمل کے بعد کسی فوجی کو دستور کو توڑنے اور خود آگے بڑھ کر حکومت پر قبضہ کرنے کی خواہ اور خیال بھی نہیں آئے گا۔

مصر میں ۳۰ سالہ فوجی آمریت نے جو کلچر پیدا کیا اس میں نہ صرف فوج اور انتظامیہ نوکرشاہی ذہنیت اور بادشاہ نوازی کے طرزِ عمل کی عادی بی بکھ فوج کے زیر اثر عدیلہ میں بھی ایسے افراد کو مقرر کیا گیا جو ہاں میں ہاں ملانے کے لیے قانونی نکات تلاش کرنے میں ماہر ہوں۔ اس سے طرفہ اخلاق باختہ نظام کے خلاف بغاوت اور تبدیلی کا عمل کسی بھی پیمانے سے ایک سال میں مکمل ہونا نمکن تھا۔ ہاں، جس بات کی ضرورت تھی وہ یہ کہ درجہ بدرجہ تبدیلی کے عمل کو اختیار کیا جائے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدر مری نے جواندازے قائم کیے وہ اپنی ثبت فکر اور حسن ظن کی بناء پر تھے، جب کہ ایک سازشی اور نوکرشاہی ذہنیت رکھنے والی انتظامیہ اور اقتدار کا مزہ لوٹنے والی فوج اور ان دونوں کے پشت پناہ اسلام دشمن غیر مسلم اور مسلم حکمران، ان سب نے مل کر وہ طریقہ اختیار کیا جسے قرآن کریم نے شیطان کے مکر سے تعبیر کیا ہے۔ شیطان کا مکر بظاہر بہت متاثر کن، غلبہ رکھنے والا اور قوت سے بھر پور نظر آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر آخرا کامیاب ہوتی ہے۔

اس بظاہر آبراً لود فضا میں بھی ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلی کا کڑکا آئے گا اور تاریکی روشنی میں تبدیل ہو گی کیونکہ آخرت ہی کو غالب ہونا ہے۔

علوم ہوتا ہے کہ جس وقت سے صدر مری نے حلف اٹھایا اسی وقت سے مخالف قوتوں نے اپنی حکمت عملی وضع کرنے کے بعد اس پر عمل کا آغاز کر دیا۔ دوسری جانب اخوان نے یہ قیاس کیا کہ فوج اور عدیلیہ جمہوری طور پر منتخب افراد اور اداروں کا احترام کرتے ہوئے کوئی ایسی کارروائی نہیں کریں گے جو جمہوری روایات کے منافی ہو۔ چنانچہ ۳۰ جون ۲۰۱۲ء کو صدارتی عہدہ سنبھالنے کے بعد صدر مری نے ۱۲ اگست ۲۰۱۲ء کو حشمتی مبارک کے زمانے کے فوجی سربراہ فیلڈ مارشل طحططاوی کو برطرف کر دیا۔ صدر مری کا یہ اقدام ایسا ہی تھا جسے ایک بھرے ہوئے سانپ کو زخمی کر دیا جائے۔ تین ماہ بعد ۳ نومبر کو صدر مری نے دستور میں اسلامی دفعات کے اضافے کے بعد اسے ایوان بالا میں پیش کیا جس نے اسے منظور کر لیا۔ صورت حال کو قابو میں رکھنے کے لیے صدر مری نے ۲۲ نومبر کو خصوصی اختیارات کا اعلان کیا تھا جسے جز ب اختلاف نے ایک قومی مسئلہ بنانے کے خلاف مہم شروع کی تو صدر مری نے ۸ دسمبر کو صدر کے وہ اختیارات ختم کر دیے۔

۲۰ اگست ۲۰۱۳ء کو ملک گیر ریفرنڈم میں ۶۲ فی صد افراد نے دستوری ترمیم خصوصاً اسلامی دفعات کی دوراؤٹ کے بعد تو شیش کر دی۔ اس کے باوجود انہوں کا بازار گرم کیا گیا اور ۵ رابرپل ۲۰۱۳ء کو قاہرہ کے شمال میں فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دی گئی۔ ۷۵٪ کو صدر نے اپنی کابینہ میں رد و بدل کیے لیکن عدالت عالیہ نے جون کی ۲۲ تاریخ کو اسلامی اکثریت رکھنے والے سینیٹ کو معطل کرنے کا اعلان کر دیا۔ عموماً جب تک پارلیمنٹ کے انتخابات نہ ہوں، سینیٹ فعال رہتا ہے۔ یہ گویا عدالت عالیہ کی طرف سے صدر اور اخوان کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ۲۳ جون کو وزیر دفاع جزل عبدالفتاح السیسی نے بیان دیا کہ اگر ملک میں ہنگامے ہوئے تو فوج کو مداخلت کرنا پڑے گی۔ ۲۸ جون کو امریکی سفارت خانے نے اپنے غیر ضروری عملے کو ملک چھوڑنے کی اجازت دے دی اور ۲۹ جون کو صدر اور باما نے صدر مری کو مشورہ دیا کہ وہ تغیری رویہ اختیار کریں۔ گویا جو لوگ جمہوری طور پر منتخب صدر اور حکومت کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے اور محلی بغاوت (rebellion) یا تمرد میں مشغول تھے، ان کے ساتھ بھلانی کا رویہ اختیار کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمد کرنے والوں پر ایک خالی فائر بھی نہ کیا گیا، جب کہ جہاں کہیں اخوان یا ان کے ہمدردوں نے پُرانی مظاہرہ کرنا چاہا ان کی روک ٹوک کے ساتھ ان پر گولیاں برسائی گئیں اور ۳۰ جون کو سرکاری طور پر ۳۰۰۰، جب کہ غیر سرکاری طور پر کئی ہزار اخوان کو قید میں ڈال دیا گیا۔ حالات کا یہ تسلسل ظاہر کرتا ہے کہ صدر مری کے حلف اٹھانے کے ساتھ ہی ایک گھناؤنی سازش تیار کر لی گئی تھی جس پر قدم بقدم عمل کیا گیا اور آخر کار برہنہ قوت کا استعمال کرتے ہوئے فوج نے مداخلت کر کے جمہوری عمل کو منجد کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صدر مری کے چند اقدامات بظاہر جلدی میں کیے گئے فیصلے نظر آتے ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انھیں کسی نہ کسی مقام سے تبدیلی کے عمل کا آغاز کرنا تھا۔ حسنی مبارک کی میراث ۱۳۴۲ء انی صد بے روزگاری جس میں ۱۵ تا ۲۹ سال کے افراد کا تابع ہے فی صد تھا، کسی علمی اعلیٰ عمل سے ہی ایک سال میں اس مسئلے کو کیسے حل کیا جاسکتا تھا۔ امریکا اپنی ۱۲ انی صد بے روزگاری کو صدر اوباما کے دو مرتبہ صدر منتخب ہونے کے باوجود مل نہ کر سکا تو صدر مری ایک سال میں اسے کیسے حل کر سکتے تھے۔ لیکن جھوٹ، افواہوں اور ابلاغی عائدہ و اخبارات میں بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ حکومت اپنے اہداف کے حصول میں ناکام ہو گئی ہے۔ اخوان المسلمون حکومت کرنے کا تجربہ نہیں رکھتے اور نہ حکومت کرنا جانتے ہیں، یا یہ کہ صدر مری اور حسنی مبارک میں کوئی فرق نہیں ہے وغیرہ۔ ۳۰ جون کو تحریر چوک میں چند ہزار افراد کے دھرنے اور مظاہروں کو حسین کمال نے، جو حسنی مبارک کے خفیہ ادارے کے سربراہ کے دست راست تھے اور گذشتہ کئی ماہ سے مسلسل بیانات داغ رہے ہیں، اس مظاہرے کے بارے میں فرمایا کہ ہم اسے عوام کا ریفیٹنڈم سمجھتے ہیں۔ عجیب بات ہے، تحریر چوک میں جو افراد جمع ہوئے، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو، وہ پورے ملک کے نماینہ کیسے ہو گئے؟ پھر جو لوگ وہاں جمع ہوئے، وہ کھلے طور پر ان پارٹیوں سے تعلق رکھتے تھے جو صدر کی مخالف ہیں۔ اس لیے ان کا نعرہ لگانا ایک بے معنی بات ہے۔ نیز ان کو فوج کی کھلی سرپرستی حاصل تھی جس نے کئی بار past fly کر کے، اور جھنڈے جہازوں سے چھوڑ کر ان کے ساتھ اپنی شرکت کا اظہار کیا جسے ٹوپی پر دکھایا گیا اور خود فوجی ہیلی کو پڑز نے فلم بنا کر میڈیا کو دی۔

اس پس منظر میں اگر غور کیا جائے تو ایک جانب نوجوان نسل ہی نہیں بلکہ وہ افراد بھی جن

کے بال سفید ہونے لگے ہوں، یہ سوچنے پر مجذوب ہو جاتے ہیں کہ آخر جمہوریت میں رکھا ہی کیا ہے کہ ہم صحیح و شام اس کی تبیح پڑھتے رہیں، جب کہ مغرب ہو یا مشرق، فوجی اور غیر فوجی آمر انھیں جب بھی موقع مل جائے وہ جمہوریت کے عمل کو قوت کے استعمال کے ذریعے برسوں پچھے پھینک دیتے ہیں۔ کیوں نہ خونیں انقلاب کے ذریعے حکومت پر قبضہ کر کے اسلامی نظام کو نافذ کر دیا جائے۔ اسلام کی کامیابی کا عمل ایک صبر آزماعمل ہے۔ اس کی منزل محض پارلیمنٹ اور ایوان اقتدار نہیں ہے بلکہ وہ ابدی کامیابی ہے جس کے مقابلے میں محض دنیاوی کامیابی اور پارلیمنٹ میں ۹۰ فی صد نشستیں حاصل کر لینا یا صدارت اور وزارت کے عہدے پر بیٹھ جانا ایک قابل تعریف کام نہیں ہے۔ اصل کامیابی وہی ہے، اصل منزل وہی ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور خصوصی کرم ہے کہ وہ اس جدوجہد میں اپنے بندوں کو اس زمین میں خلافت کا منصب بخش دے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کی عنایت ہے اگر وہ اسے موخر کرتا ہے تو بھی اس کی حکمت سے وہی آگاہ ہے۔

اصل بات جو غور طلب ہے وہ یہ کہ جمہوری عمل کا اسلامی جواز کیا ہے؟ سادہ الفاظ میں اسلام بھلائی، اچھائی اور نیکی کی طرف دعوت کا نام ہے۔ یہ تمام نظاموں کو ایک طرف رکھ کر، اللہ تعالیٰ کے دین کو انسانی معاشرے میں نافذ کرنے کا نام ہے۔ اس میں حکومت، اور حکومتی ادارے ایک اہم مقام رکھتے ہیں جن کا صحیح استعمال اسلام کا مدعا ہے۔ ان اداروں کی اصلاح بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی افراد کارکی۔ جمہوری عمل سے مغربی لادینی جمہوریت مراد لینا سادہ لوگی ہے۔ اسلامی تحریک نے کسی بھی مرحلے میں مغربی لادینی جمہوریت کو نہ تسلیم کیا اور نہ اس کی حمایت کی۔ اس کی جگہ تحریکات اسلامی نے مروجه جمہوری نظام کو پہلے مرحلے میں دستوری تبدیلی کے ذریعے اسلامی نظام کی راہ میں ایک زینے کی حیثیت دی اور اسے با اکراہ اس حد تک بطور حکمت عملی کے اختیار کیا جس سے اس کا اصل ہدف، یعنی نظام اسلامی کا قیام عمل میں آسکے۔

حالتو جنگ میں اگر حکمت عملی کا مطالبہ ہو کہ وقتی طور پر پچھے ہٹ کر دشمن کو اپنی زمین پر قبضہ کرنے دیا جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ اسلامیان پشت پھیر کر اپنی دعوت سے پھر گئے۔ تحریکات اسلامی نے تبدیلی قیادت کے لیے حکمت عملی کے طور پر بعض ممالک میں دستور میں تبدیلی کے ذریعے، مثلاً پاکستان میں اور ابھی حال میں مصر، اور بعض مقامات پر بغیر دستور میں تبدیلی

لائے، پہلے مرحلے میں ایوان حکومت میں اپنے قدم مضبوط کرنے کی کوشش کی اور پھر ان اداروں میں تبدیلی لانے کی کوشش کی جو لا دینیت پر تھی تھے، مثلاً ترکی میں دستوری ترمیمات کے ذریعے فونج کے عمل دخل کو ختم کرنا، گواج بھی ترکی اپنے آپ کو سیکولر ریاست کہتا ہے۔ اس طویل حکمت عملی میں جب تک ہدف اور منزل واضح ہوا اور اس کے لیے اخلاقی ذرائع استعمال کیے جا رہے ہوں، کم تر رہائی کا گوارا کرنا تاکہ مناسب وقت پر رہائی کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے، دین کی حکمت کا لازمی حصہ ہے۔ فقہ اسلامی میں سیاست شرعیہ، مصالح عامہ اور قواعد فقہ کی روشنی میں غور کیا جائے تو بغیر کسی مذاہنت اور مفاهیم کے دین نے شریعت کے نفاذ کے لیے عملی راستے تجویز کیے ہیں۔ حصول مقصد کے لیے اصل طریقہ اور مثال انبیاء کرام کا دعویٰ اسلوب ہے، دین کے لیے مسلسل جدوجہد ہے، حق کی دعوت کو بہترین طریقے سے پہچانا ہے، دین میں کسی مذاہنت کے بغیر اپنے اصولوں پر قائم رہنا ہے۔ اگر دینی مصالحت کا تقاضا ہو کہ قوت کے استعمال کو مؤخر کیا جائے تو یہ نہ بہتی ہے نہ بزدلی بلکہ یہ عین دین کا تقاضا ہے۔

جمہوری جدو جہد کا مقصد

جمہوری جدو جہد سے دراصل جو چیز مرادی جاتی ہے وہ اس دور کی زبان کو استعمال کرتے ہوئے 'عوامی رابطہ برائے دعوت و اصلاح' ہے۔ یہی وہ جادہ حق ہے جسے انبیاء کرام نے اپنے اپنے دور میں اختیار فرمایا۔

جمہوری عمل سے تبدیلی لازماً صبر آزماعمل ہے اور اسی بنا پر ہر لمحے انسان سوچتا ہے کہ برسہا برس سے جدو جہد کر رہے ہیں، آخر تبدیلی کب آئے گی؟ لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اصل قابل قدر کام وہ سمجھی اور کوشش ہے جو صرف اسی کے لیے کی جا رہی ہو۔ نتائج اگر مطلوبہ اندازے کے مطابق ہوں تو یہ صرف اس کی عنایت ہے۔ ہمارے زور بازو کی بنا پر نہیں ہیں اور اگر اس میں تاخیر ہو جائے چاہے وہ تاخیر برسوں کی ہی کیوں نہ ہو، تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کیونکہ صرف وہ ہے جو کسی عمل کی بھلانکی اور رہائی سے آگاہ ہے۔ وہی جانتا ہے کہ ایک کام کی تاخیر سے وہ اپنے بندے کے لیے کس طرح کی خیر اسے دینا چاہتا ہے۔

اس زاویے سے اگر مصر کا جائزہ لیا جائے تو حالیہ آزمائش جہاں ہر صاحب شعور کے لیے

تکلیف و اذیت کا باعث ہے اور واضح طور پر مغربی دولی جمہوریت کی ڈفی بجائے کے ساتھ فوجی آمریت کی حمایت اور اسلام دشمنی کی کھلی دلیل ہے، وہاں وہ لوگ بھی جنہوں نے انتخابات میں صدر مریٰ کو ووٹ نہیں دیا، فوج کے اس شب خون کی کھل کر مخالفت کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ صدر مریٰ نے بعض فیصلے غلط کیے ہوں لیکن کیا کوئی غلط فیصلہ کرنا ایسا جم ہے کہ اسے ایک جمہوری حق سے محروم کر دیا جائے؟

اخوان کے مرشد عام (سربراہ) نے صاف طور پر اعلان کیا ہے کہ ہم قوت کا استعمال نہیں کریں گے، جب کہ ایک دن میں قاہرہ یونیورسٹی میں اخوان کی حمایت کرنے والے ان جوان شہید کر دیے گئے۔ ایک دن میں پر امن مظاہرہ کرنے والے عوام پر فوجی یلغارہ ہی، ۵۳ افراد شہید ہو گئے۔ اخوان کے مرکز اور ملک بھر میں اس کے متعدد فاقات کو نذر آتش کر دیا گیا ہے اور اخوان کی تحریک مراجحت میں ۱۰۰ سے زیادہ افراد شہول چارخوں تین شہید ہو چکے ہیں۔ اس سب کے باوجود اخوان کی پوری تحریک دستوری (legitimacy) اور جمہوریت کی بحالی کے لیے ہے اور پر امن ہے۔ فوج اور پولیس کا نشانہ اخوان کی تحریک ہے، جب کہ تحریر چوک پر مظاہرہ کرنے والے صدر مریٰ کے مخالفین پر نہ پولیس نے، نہ فوج نے ایک ہوائی فائرتاک نہیں کیا ہے، بلکہ تازہ اطلاعات کی روشنی میں فوج اور پولیس کے علاوہ بھی غنڈوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو اخوان کی مراجحت تحریک پر حملہ آور ہو رہی ہے۔

اگر مصری عوام آنکھیں رکھتے ہیں تو وہ خود دیکھ سکتے ہیں کہ فوج اور انتظامیہ خصوصاً وزارتِ داخلہ کس طرح دہرے معیار کا مظاہرہ کر رہی ہے کہ اخوان کے مظاہروں پر آنسوگیں اور گولی، جب کہ اخوان کے خلاف مظاہروں پر رحمت و تحفظ۔ وزارتِ داخلہ، پژوهیم کی وزارت اور فوج کی قیادت اور اعلیٰ عدالیہ کا کردار جمہوریت کش اور اخوان اور ان کے اتحادیوں کی حکومت کو ناکام بنانا تھا۔ بد قسمی سے خود صدر مریٰ کی وزارت میں ایسے لوگ موجود تھے جو حکومت میں ہوتے ہوئے حکومت کو ناکام کرنے میں مصروف تھے۔ صدر مریٰ کی accommodate کرنے کی پالیسی اس خطرناک انتہا تک گئی کہ دشمنوں کو بھی وزارت میں جگہ دی لیکن اس پر بھی ان پر الزم یہ ہے کہ انہوں نے دوسروں کو ساتھ نہیں لیا۔

اخوان المسلمون جانوں کی قربانی دینے کے باوجود پر امن ہیں لیکن سی این این، سکائی نیوز اور دیگر مغربی ذرائع ابلاغ انھیں جنگجو (militant) کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں، جب کہ جمہوریت کے باغی سیکولر اور غیر محبت وطن افراد کو عوامی مہم کہا جا رہا ہے۔ یہ ابلاغی تعصب کوئی حرمت انگیز بات نہیں ہے، لیکن مغربی اور مصری ابلاغی عامد کا بار بار ایک بات کو دھرا تے رہنا اخوان المسلمون کے بارے میں صرف ایک ہی تاثر کو گھرا کرتا ہے کہ وہ حکومت چلانے کے قابل افراد نہیں ہیں، جذباتی اور شدت پسند ہیں، جب کہ حقیقت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ اخوان تشدد کا نشانہ ہیں اور ملک میں جمہوری طریقے سے اصلاح کے عمل سے قوت کے ذریعے روک دیے گئے ہیں۔

حالات جس رُخ پر جارہے ہیں ان میں اس بات کا امکان ہے کہ ملک گیر بامنی پیدا ہونے دی جائے تاکہ دوبارہ اخوان پر پابندی لگائی جاسکے اور وسیع پیمانے پر انھیں زیر حرast است لاکر حزب اختلاف کو بے بس کیا جاسکے۔ مسلم ممالک میں کویت، متحده عرب امارات اور سعودی عرب میں فوجی انقلاب لانے والے ٹولے کو فوری طور پر مجموعی امداد کی ۱۲ ملین ڈالر قم کا اعلان کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض مسلم ممالک اسلامی قوتوں سے کتنے خائن ہیں۔

تحریکات اسلامی کے لیے اس میں اہم سبق یہ ہے کہ ۲۰ فی صد کامیابی کے باوجود تبدیلی کے عمل کو صبر و حکمت کے ساتھ کرنا ہوگا تاکہ تبدیلی پایدار ہو۔ ترجیحات کا تعین کرنا ہوگا اور بعض ایسے پیلوؤں کو جو عوامی نفیيات کی روشنی میں بڑے اہم اور بنیادی نظر آتے ہوں اپنی مہم میں اہم مقام دینا ہوگا، تاکہ کلمہ طیبہ کا یہ پودا مضبوط تئے اور شاخوں کے ساتھ ایک مرتبہ ملکیم ہو جائے اور اس کا سایہ ہر مظلوم و مغلوم کو اپنی آغوش میں لے کر یہ بات باور کرادے کہ صبر و استقامت کے بعد جب اسلامی نظامِ عدل قائم ہوتا ہے تو وہ ہر انسان کے لیے برکت کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام میں عدل ہے انسانوں کی جان، مال، عزت کا تحفظ ہے اور رنگ، نسل اور زبان کی قید سے آزاد معاشرے کی تغیری ہے۔